وجودِ حجتؑ

قسط۔۴

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

درحقیقت یہ اصول کہ امامت کے انتخاب کو رسولؐ کے واسطہ سے حضرت باری عزّ اسمہٗ تک منتہی ہونا چاہئے مکمل طور سے جمہوریت ومساوات پر مبنی ہے، درحقیقت حاضر و مستقبل میں بشری مصالح کی نگہداشت اور تمام طبقات بشر کے مساوی طور پر حقوق کی حفاظت جو الٰہی لطف وعدل وحکمت کی روشنی میں انجام پائے اور جس میں دھوکے دھڑی، مکروفریب، تعصب واستبداد، حق تلفی وناحق کوشی، اہل حل وعقد اور امت کے نمائندوں میں اہل تدلیس ونفاق کے مداخلہ اور آزادی رائے کے نام سے کمزور افراد کے اختیارات سلب کرنے اور جبروقہر سے ان کے زبان بند کرنے کا امکان نہ ہو اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتی۔

انسان نقائص کا مجموعہ اور کمزوریوں کا مجسمہ ہے بڑے بڑے ذمہ دار افراد ان کمزوریوں سے بلند نہیں ہیں جو انسانی جذبات کے تحت میں عام طور پر پائی جاتی ہیں، حکومتوں کے نظم ونسق میں جو تمام تر آئین پر مبنی ہوتا ہے انتہائی درجہ تک بے آئینی صرف کی جاتی ہے لیکن اس بے آئینی کو کھینچ تان کر آئین ہی کے سر منڈھا جاتا ہے۔

پھر اگر امامت وخلافت بھی ایسی ہی خود ساختہ کارروائی کا نتیجہ ہے تو اس کے لئے ایک شخص کا امام وخلیفہ نام رکھ کر اس کے افعال کی ذمہ داری اسلام کے سر تھوپنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ اس غرض کے لئے دنیاوی بادشاہان اور سلاطین کے اصول وقوانین بہت کافی ہیں۔

لیکن اگر امامت کوئی ایسی چیز ہے جس سے حقیقی معنی میں مفاد اسلام کا تحفظ منظور ہے تو اس کو ایسا ہی ہونا چاہئے جو ان کمزوریوں سے علاحدہ ہو۔

شیعوں نے امامت کو خداوند عالم کی مرضی پر منحصر قرار دے کر امامت کے پایہ کو بلند سے بلند تر بنا دیا ہے جس سے بڑھ کر مصالح عامہ کے لحاظ کا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں ہے۔

کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ خدا مخلوق کے مصالح کی خود مخلوق سے زیادہ نگہداری کر سکتا ہے۔

اس کا علم وحکمت محیط اور خود وہ تمام اغراض ذاتیہ سے مبرا ومنزہ اور اپنے بندوں کے حال پر رحیم ومہربان ہے، امام کا انتخاب اس کے ہاتھ میں ہونا خود تمام افراد بشر کے مصالح کی حفاظت اور حاضر ومستقبل میں امام ومأموم کے فرائض کی نگہداشت کے لئے کافی ہے اور جتنے حکم ومصالح فرض کئے جا سکتے ہیں وہ اس میں مضمر پائے جاتے ہیں۔

وہ جہالت، فریب، ریاکاری، ہٹ دھرمی، خودغرضی، سخت گیری، حق تلفی، ناحق کوشی، جانبداری، جلد بازی اور اس طرح کے تمام بشری نقائص سے بری ہے جو ایک فیصلہ کو نقطہ حقیقت سے دور پھینک دینے کے ذمہ دار ہیں۔

پھر کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ شیعوں کے مقرر کردہ اصول کے مطابق امامت اصلاح بشر اور رعایت حقوق عامہ اور

ظالم ومظلوم میں انصاف خواہی کے لئے نقطۂ کمال پر فائز اور مضبوط ترین بنیاد پر قائم ہے، ایسا امام جس کو نظر احدیت نے منتخب کر دیا ہو یقیناً اس قابل ہے کہ اس کے سامنے تمام افراد امت کی گردنیں خم ہوجائیں اور کسی کو ایراد واعتراض کی گنجائش نہ ہو۔

کیا ایسے امام کو ہر زمانہ میں موجود رہنا چاہئے؟ بیشک موجود رہنا چاہئے اس لئے کہ ضرورت اس کی ہر زمانہ میں موجود ہے۔ شریعت اسلام اگر کسی خاص جزو زمانہ سے محدود ہوتی تو حافظ شریعت کا وجود بھی اسی خاص جزو کے ساتھ مخصوص ہوتا لیکن جبکہ شریعت کا دائرہ وسیع اور آخری حدود دنیا تک پہنچا ہوا ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی آخر تک ہونا ضروری ہے۔

بے شک حفاظت ملت اور رہنمائی امت کا فرض ادا کرنے کی صورتیں دو ہیں۔ ایک ظاہری طور سے جس کی پشت پر حکومت کا اقتدار اور سلطنت کا جاہ وجلال موجود ہو اور دوسرے مخفی صورت پر جس میں کار ہدایت پردہ کے اندر انجام دیا جائے۔

پہلی صورت یقیناً مقصد کے حصول میں پورے طور پر کامیابی کا واحد ذریعہ ہے لیکن جب عام افراد کا جذبۂ اقتدار پسندی اس غرض کے حصول میں سدّ راہ ہوجائے تو قدرۃً امام کا فرض دوسرے جزو کی طرف منتقل اور فریضۂ ہدایت کا پردہ کے اندر ادا ہونا ضروری قرار پاتا ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عام افراد نے ایک دن بھی امامت کے مقصد کو پہلی صورت سے حاصل نہیں ہونے دیا، ائمۂ ہدایت جو حقیقی معنیٰ میں جانشین رسولؐ اور راہنمائے مذہب تھے انھوں نے ہدایت کے کام کو ہمیشہ پردہ ہی میں انجام دیا اور کبھی دنیا نے ان کو کھلی فضا میں آنے نہیں دیا۔

اس معنی سے تو میں ۲۶۰ھ کے پہلے بھی غیبت ہی سمجھتا ہوں کہ امام اپنی حقیقی روحانیت اور صفت امامت کے ساتھ عام نظروں سے اوجھل اور دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ تھے لیکن وہ طرح طرح کے پردوں میں بھی ہدایت کے فرض کو انجام دے رہے تھے۔

۱۰ھ کے بعد ہی جب کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اور مسلمانوں میں اختلاف کی بنیاد پڑی اور انصار کے مقابلہ میں کامیابی کا سہرا مہاجرین کے سر بندھا اور وصی برحق وامام مطلق (علی بن ابی طالب۔) نے ایک مرتبہ اعلان حق کر کے ان تلخ تجربوں کو اٹھا لیا جن پر تاریخ کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہے۔ بس وہی تاریخ تھی کہ جس کے بعد امامت حقیقیّہ پردۂ غیبت میں مستور ہوئی۔

اس سلسلہ کی فرد اول امیر المومنینؑ نے ۲۵ برس اسی پردہ میں گذار کر ہدایت امت اور نصرت اسلام کے فرض کو انجام دیا۔

انھوں نے عام مسلمانوں کی ایک فرد بن کر، اُجرت ومزدوری میں بسر کر کے یہود کے باغوں میں آب کشی کر کے فتوے دیئے، قضایا کا فیصلہ کیا، مشکل مسائل حل کئے، سلاطین وقت کو مفید مشورے دیئے اور غلطیوں پر متنبہ کیا خطاء اجتہادی کی زد میں آکر جانے والی جانوں کی حفاظت کی اور لَوْ لَا عَلِیٌ لَهَلَکَ عُمَرُ۔ کا اعتراف حاصل کیا۔

شورش انگیز تحریکوں کو جو وقار اسلامی کو صدمہ پہنچانے کا

باعث تھیں خلیفۂ عہد کو ناصحانہ مواعظ اور شورش انگیزوں کے سامنے خلیفہ کی جانب سے قول وقرار کر کے دبایا، یہ دوسری بات ہے کہ نتیجہ میں حالات سازگار نہ ہوئے اور ذمہ داران حکومت کی پے در پے غلطیوں نے پیمانہ کو چھلکایا اور اس طرح کہ اس نے خلیفۂ مسلمین کی کشتی حیات کو غرق کر دیا۔

صورت حال میں انقلاب ہوا، خلافت نے اپنے اصلی مرکز کی طرف رخ کیا اور مسلمانوں کی گردنیں اس طرف جھکیں جہاں اسکے بہت پہلے انھیں جھکنا چاہئے تھا۔

ظاہری اعتبار سے یہ امامت حقہ کے ظہور کا وقت ہے اور پردہ غیبت کے چاک ہونے کا زمانہ ہے لیکن درحقیقت یہ نظر کی غلطی اور خیال کی لغزش ہے۔

علیؑ کی خلافت کو اس موقع پر تسلیم کرنے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے جو ایک دو تین کے بعد آپ کو چوتھا درجہ عطا کرتے تھے اور اس بناء پر اس کو کسی نص نبوی اور حکم الٰہی کے تحت میں سمجھنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ وہ اس بادشاہت کو بھی اس کے قبل کی تین حکومتوں کے مثل مسلمانوں کی ظاہری شیرازہ بندی و تنظیم کا ذریعہ خیال کرتے اور اس کو باہمی سمجھوتہ، انتخاب اور یکجہتی واتفاق کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔

علیؑ ابن ابی طالبؑ کا اس خلافت کو منظور کر لینا بھی درحقیقت ایک پردہ تھا جس کے پیچھے وہ اپنی امامت حقیقیہ کے فرائض کو عمل میں لانا چاہتے تھے جس میں وہ ایک حد تک کامیاب ہوئے۔ ان پردون میں رہ کر جو زندگی کے مختلف دوروں میں مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے ہیں یعنی علیؑ کبھی ناصح کے لباس میں ہیں اور کبھی مشیر کے، کبھی قاضی اور کبھی مفتی، کبھی سفیر مصالحت اور کبھی سریرآرائے حکومت، علیؑ نے سچے تعلیمات کے مجسمے پیش کئے اور خصوصیات اسلام کے مکمل نمونے، انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے حکیمانہ ہدایات سے روح پھونکی اور فلسفۂ زندگی کے مشکل مسائل کو کامل طور سے حل کیا۔

انھوں نے تہذیب اخلاق کی تصویریں پیش کیں، تدبیر منزل کے حدود قائم کئے، سیاست مدن میں انصاف وعدالت کے دائرے کھینچے، عدل ومساوات کے معنی سمجھائے، بادشاہ ہو کر فقیروں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا اور دنیا کی باجبروت وطاقت ور ہستیوں کے غرور وتکبر کو تنبیہی ٹھوکر لگائی، مال ودولت پر قابض ہونے کے بعد محتاجوں کی زندگی بسر کی اور اپنے ہر ذاتی سرمایہ کو مساکین کی نذر کر کے ارباب ثروت وتونگری کو بے مایہ افراد قوم کی حالت کا درد آشنا ہونا سکھایا۔

انھوں نے حجاز وعراق کے بادشاہ ہونے کے وقت میں کبھی میثم تمار کی دوکان پر بیٹھنے کو اپنے لئے کسر شان نہیں سمجھا اور یوں قوم کے اعلیٰ سفید پوش طبقہ کو تجارت کی طرف مائل کرتے ہوئے دوکاندار اور تجارت پیشہ افراد کے عزت واحترام کا اشارہ کیا۔

انھوں نے انہیں پردوں میں علوم ومعارف کے دریا بہائے، تفسیر قرآن کے باریک نکات کو واضح کیا، فقہ کے مشکل مسائل کو حل کیا، علم کلام کی پیچیدگیوں کو سلجھا کر مبداء ومعاد کی حقیقت سے آشنا کرایا اور اس طرح کتنے فوائد تھے جن کو پہنچا دیا لیکن اپنے روحانی اقتدار کے ساتھ پردہ ہی میں رہے۔

علیؑ بن ابی طالبؑ امامت حقہ کی ذمہ داریاں حسن

مجتبیٰ کے سپرد کر کے خود عالم جاودانی کی طرف رہ سپار ہوئے اور امام حسنؑ سے حالات کا تقاضا ہوا کہ وہ اس مجازی خلافت کو جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق پہلے ہی ایک نقاب یا حجاب سے زیادہ اصلیت نہ رکھتی تھی معاویہ کے سپرد کر دیں، انھوں نے ایسا ہی کیا، امامت حقیقیہ کو جواب تک ظاہری حکومت کے لباس میں کارفرما تھی اپنے پردۂ غیبت کو تبدیل کر کے صلح کے حجاب میں مخفی ہوئی اور دس برس انہی شرائط صلح کے ماتحت کامل رواداری کے ساتھ غیر محسوس طریقہ پر اس کے روحانی فیوض و برکات جاری رہے اور حسن مجتبیٰ کے بعد حسینؑ بن علیؑ بھی دس برس بھائی کے نقش قدم پر گامزن اور ظاہری قرارداد مصالحت کے پابند رہے۔

لیکن ایک دفعہ صورت حال میں انقلاب ہوا، امیر معاویہ کے اپنے بعد یزید کو خلیفہ و جانشین مقرر کرنے، نے بنیاد مصالحت کو کھلی ہوئی صورت پر پامال کر دیا اور یزید کے اعمال و افعال، شرمناک اخلاق و عادات نے اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کیا۔

کون چیز تھی جو ایسے آڑے وقت اسلام کی حفاظت کا فرض انجام دیتی، بے شک وہ امامت حقہ ہی تھی جس نے ایسے مشکل ترین وقت میں اپنے مقصد اصلی کو پورا کیا۔

لیکن وہ پردوں میں تھی، اس کے حجاب اس وقت اپنی نوعیت میں بے نظیر تھے۔ مظلومیت، شہادت، صبر و تحمل، ثبات و استقلال، عزت نفس، خودداری، حق وصداقت کی حمایت اور غرور باطل کا مقابلہ، ظاہری جاہ وجلال سے بے خوفی اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے جگری سے قربانی، یہی وہ پردے تھے جن کے اندر امامت اپنا فرض انجام دے رہی تھی اور وہ اتنے کامیاب طریقہ سے انجام پایا کہ قیامت تک کے لئے اسلام کو زندہ کر گیا اور جب تک دور فلک میں اسلام کا نام ہے اس کا تذکرہ بھی ساتھ ساتھ ہے۔

دور ختم ہوا اور امامت نے منزل بدلی یعنی وہ امام زین العابدینؑ کی طرف منتقل ہوئی، کیا یہ غیبت کبریٰ کا زمانہ نہ تھا؟

امامت پر اتنے تاریک وتنگ پردے پڑے ہوئے تھے جن کے اندر سے اس کے جمال حقیقت کی زیارت مشکل نہیں بلکہ ناممکن تھی، قید، اسیری، دست وپا کے غل وزنجیر، گلے کا طوق، کوفہ وشام کے بازار اور ابن زیاد و یزید کے دربار۔ اتنے پردوں میں رہ کر بھی امامت اپنا کام کر رہی تھی، تبلیغ مذہب کا فرض انجام پا رہا تھا اور ایسا کہ جس کی نظیر ناممکن، بیشک اسی کا نتیجہ تھا کہ یزیدی تختۂ حکومت الٹا اور اس طرح کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور حسینی مشن دنیا کے سیکڑوں انقلابات کے باوجود اب تک قائم ہے اور روز افزوں ترقی حاصل کرتا ہے۔ درحقیقت اس میں حسینی کارناموں کے ساتھ سید سجادؑ اور ان کے ہمراہی پردگیان عصمت کے عظیم جہاد کو جو انھوں نے اسیری کی صورت میں انجام دیا بہت بڑا دخل ہے۔

مدینہ سے واپسی کے بعد بھی سید سجادؑ کی بقیہ زندگی بالکل خاموشی میں گذری اور امامت کے تجلیات گوشہ نشینی وانزواء کے پردوں میں مخفی تھے، انھوں نے ایک مصیبت زدہ دن رات گریہ وزاری میں بسر کرنے والے اور عبادت الٰہی میں گوشت کو پوست اور جسم کو مشت استخوان بنا دینے والے عابد کی حیثیت سے عمر گذاری اور آخر ۹۵ھ میں انتقال کیا۔

(جاری)